نقطۂ نظر — حافظ محمد ادریس

اس مہینے، بانیٔ انقلاب ایران -- خمینی، کی برسی پاکستان اور ایران میں بہت دھوم دھام سے منائی گئی اور اس سے پہلے انقلاب ایران کی "برسی" بھی اسی انداز میں منائی گئی- اس موقع پر جماعت اسلامی پاکستان کے ایک مرکزی عہدیدار کا "ردعمل" خاصے کی چیز ہے- خصوصاً ان کے مضمون کا دوسرا حصہ اگر اس پس منظر میں پڑھا جائے کہ یہ "جماعت اسلامی" کے مرکز سے اٹھنے والی ایک نمائندہ آواز ہے تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے-

ع "بہت دیر کی مہرباں آتے آتے!" (ادارہ)

انقلابِ ایران

اِدھر کا پہلو — اُدھر کا پہلو

اچھے کام کرنے والوں نے بہت کچھ اچھا نہیں کیا

انقلابِ ایران کی گیارہویں سالگرہ پر مختلف تعاریب منعقد ہوئیں، اخبارات و رسائل نے خصوصی نمبر نکالے۔ روزنامہ جنگ نے راقم الحروف سے فون پر تاثرات معلوم کرنا چاہے — میں نے کہا کہ میں تحریری صورت میں اپنے خیالات بھیج دوں گا۔ ادارہ "جنگ" کے رُکن جناب تنویر ظہور صاحب نے فرمایا کہ تحریری تاثرات زیادہ بہتر رہیں گے۔ فون پر نہ تو انہوں نے زیادہ تفصیل بتائی، نہ میں نے زیادہ استفسار کیا۔

جب تحریر روزنامہ "جنگ" کو بھیجی جا چکی تو تنویر صاحب کا فون آیا کہ چونکہ جنگ کا خصوصی نمبر ایرانی سفارت خانے کے اہتمام سے شائع ہو رہا ہے۔ اس لیے صرف ایسے تاثرات درکار ہیں جو "در مدحِ انقلاب" ہوں لہٰذا اگر اجازت ہو تو تحریر کے محض وہ حصے شائع کر دیے جائیں، جن میں انقلاب کے مثبت پہلو بیان کیے گئے ہیں مگر میں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور ادارہ جنگ سے درخواست کی کہ اگر چھاپنا چاہیں تو پوری تحریر چھاپیں، خواہ اس کا خلاصہ ہی نکال لیں مگر مثبت اور منفی دونوں پہلو سامنے آنے چاہئیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہ چھاپیں۔ ظاہر ہے ادارہ جنگ کے لیے یہ شرط قابلِ قبول نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اسے نہیں چھاپا۔ اب یہ تحریر نذرِ قارئین ہے۔

انقلابِ ایران بلاشبہ ہماری موجودہ صدی کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔ ایرانی قوم نے اپنے جذبۂ حریت اور بے پناہ قربانیوں کی بدولت دنیا کے ایک مستبد آمرِ مطلق کا تختہ الٹ کر پوری عالمی برادری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس انقلاب نے یہ ثابت کر دکھایا کہ عوام اگر متحد ہو جائیں اور اپنی منزل متعین کر لیں تو بدترین مظالم بھی ان کا راستہ نہیں روک سکتے۔

نہ کسی آمر کی "مضبوط کرسی" زیادہ دیر تک قائم رہ سکتی ہے اور نہ غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے میں دیر لگتی ہے۔

انقلابِ ایران میں مذہبی طبقے نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ایک مذہبی رہنما جناب آیت اللہ خمینی جنہیں ملک سے جلاوطن کر دیا گیا تھا، بیرونِ ملک پہلے عراق اور پھر فرانس میں بیٹھ کر عوامی جدوجہد کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ ان کی تقریریں ٹیپ ہو کر ایران پہنچتی تھیں اور فوراً ان کی ہزاروں کاپیاں بن کر ملک کے چپے چپے میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اس پوری جدوجہد میں لوگوں نے بہترین تنظیم کا مظاہرہ کیا۔ تنظیم جدوجہد کی جان اور کامیابی کی ضامن ہوتی ہے۔

مذہبی طبقات میں خوش قسمتی سے باہمی یگانگت اور اتحاد نے ایک شخصیت کو بطور رہنما ابھرنے کا موقع فراہم کیا، جو پوری جدوجہد کے دوران اور اس کے بعد بھی تحریک کی علامت (SYMBOL) بن گیا۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ایران کی اکثریت شیعہ اثنا عشریہ (جعفریہ) عقیدہ کی پیروکار ہے، مگر سنی اقلیت کے دینی رہنماؤں نے بھی جدوجہد کے دوران شاہ کے خلاف برسرِپیکار قوتوں کا بھرپور اور غیر مشروط ساتھ دیا۔ شاہ ایک اسلام دشمن حکمران ہی نہیں تھا، بلکہ وہ انسانیت کا بھی دشمن تھا۔ ایک شخصیت کا تحریک میں سمبل

بن جانا ہمیشہ جدوجہد کی کامیابی میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ جہادِ افغانستان میں بھی کسی کامیابی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے۔ ایرانی تناظر میں علامہ خمینی کو مرکزی مقام حاصل تھا جن کے گرد تمام لوگ جمع ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے تھے۔

ایرانی قوم نے بحیثیت مجموعی اس جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دیہاتی اَن پڑھ، مزدور اور کسان سب نے شاہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ شاہ کی پولیس، سکیورٹی فورس اور فوج نے قوت کے ذریعے اس تحریک کو کچل ڈالنا چاہا، مگر لوگوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ کٹتے رہیں گے مگر آگے بڑھتے رہیں گے۔ یقیناً آمریت کا خاتمہ ہوا اور عوام کی جیت۔

انقلاب کے بعد ایران کی نئی حکومت نے بعض اصلاحات بھی کیں جو قابلِ قدر ہیں۔ فحاشی و عریانی جس کے لیے پوری دُنیا میں ایران اور بالخصوص دارالحکومت تہران بدنام تھا ختم کرنے کے لیے مثبت قدم اٹھائے، منشیات کے خاتمے کی سنجیدہ کوشش کی، سول سروس کو نئے سرے سے مرتب کیا اور دنیا بھر میں اپنے سفارت خانوں میں خوش اخلاق، محنتی اور قابل افراد کو متعین کیا۔ 'متعہ' چونکہ فقہ جعفریہ میں جائز سمجھا جاتا ہے، اس لیے اسے بھی حدود کا پابند بنایا گیا اور پہلے متعہ کے نام پر جو کھلم کھلا برائی در آئی تھی، اس کی روک تھام کی کوشش کی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک قرآنی دلائل کی روشنی میں متعہ کی ہر شکل ناجائز ہے اور اسے گناہ ہی سمجھا جاتا ہے۔

جہاں ایرانی انقلاب نے اندرونی طور پر یہ مثبت کام کیے وہاں اس نے بیرونی محاذ پر امریکہ کی چودھراہٹ پر کاری ضربیں لگائیں، اسرائیل کو للکارا اور جہادِ افغانستان کی بھی حمایت کا اعلان کیا۔ یہ بھی قابلِ قدر کارنامے تھے۔ شیطان رُشدی کی یاوہ گوئی پر ایران نے دنیائے اسلام کی تمام حکومتوں کے مقابلے میں سبقت حاصل کر لی تھی۔ دنیا بھر کے مسلمان اس موقف پر خوش تھے اور انہوں نے ایرانی حکومت کی تعریف میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ یہ تمام مثبت پہلو ہیں جن کی تعریف نہ کرنا بے انصافی اور تنگ نظری ہوگی۔

اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھ لیا جائے۔ کوئی بھی انسانی کاوش سوائے انبیائے کرام کے کبھی لغزشوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ انسان اچھے کام بھی کرتا ہے اور اس سے غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔ جدوجہد کے دوران مسلسل یہ کہا جاتا تھا کہ ہم اسلامی انقلاب کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں مگر انقلاب کی کامیابی کے بعد اصل رُخ سامنے آیا کہ یہ شیعہ انقلاب ہے۔

ایران میں چونکہ شیعہ اکثریت میں ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ وہاں ان ہی کی فقہ ملک کا قانون قرار پائے گی، مگر دستور میں یہ لکھ دیا جانا کہ صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم شیعہ جعفریہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، ہرگز پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ ان عہدہ داروں کے لیے لازمی شرط ہے کہ وہ کئی پشتوں سے ایرانی ہوں۔

انقلاب کے بعد ایرانی حکومت نے سولہ ملین سُنی اقلیت کو اس کے بنیادی حقوق ادا نہیں کیے۔ تہران بھر میں سنیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے۔ مشہور سنی لیڈر مفتی احمد زادہ جنہوں نے انقلاب کی حمایت کی تھی، انقلاب کے کچھ عرصہ بعد سے اب تک جیل میں ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان رہنماؤں نے بارہا اپیل کی کہ انہیں رہا کیا جائے، مگر بے سود۔ اسی طرح ایرانی بلوچستان میں بھی بہت سے سنی علما گرفتار ہیں یا زیرِ عتاب، حالانکہ انہوں نے جدوجہد کے دوران تحریک کی پوری طرح حمایت کی تھی۔

شیعہ فرقہ کے وہ معزز افراد جنہوں نے جدوجہد میں بے پناہ قربانیاں دی تھیں، محض معمولی اختلافِ رائے کی وجہ سے انتقام کا نشانہ بن گئے۔ ڈاکٹر ابراہیم یزدی، مہدی بازرگان، صادق قطب زادہ اور آیت اللہ شریعت مداری کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ کس سے پوشیدہ ہے۔

امریکہ کو شیطانِ اکبر قرار دیا گیا اور روس کو شیطانِ کوچک مگر اس شیطانِ کوچک کے ساتھ دوستی قائم کرنے کی کوشش جاری رہی۔ شیطان خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا کسی مومن کا ـــــ دوست نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح شام کے آمرِ مطلق اور نصیری فرقے کے غیر مسلم حکمران حافظ اسد کے ساتھ دوستی کی ایسی پینگیں بڑھائی گئیں کہ اخوان المسلمون کے خون سے رنگیں اس کے ہاتھ چومے گئے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ عراق کا دشمن ہے اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے، مگر اخوان نے بھی تو انقلابِ ایران کی زبردست حمایت کی تھی۔ اس طرح دوست کا قاتل کیسے دوست بن سکتا ہے۔

حافظ اسد کی حمایت اور دوستی کے لیے یہ کمزور دلیل دی گئی کہ وہ عراق کا دشمن ہے اور اخوان کے خلاف یہ دلیل گھڑی گئی کہ ان کی سعودی حکومت سے دوستی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شام کے نصیری حکمرانوں کی سعودی عرب سے دوستی بھی ہے اور ان کو سعودی حکومت سے مالی امداد بھی ملتی ہے۔ اس

کے علاوہ شامی صدر کا بھائی اور دستِ راست رفعت اسد سعودی ولی عہد کے ساتھ رشتہ بھی رکھتا ہے کہ دونوں کی بیویاں آپس میں بہنیں ہیں۔

ایران، عراق جنگ میں یقیناً عراق نے جنگ کا آغاز کرکے جرم کا ارتکاب کیا تھا مگر اس طویل جنگ کو جاری رکھنے کا جرم ایران کے کھاتے میں جاتا ہے۔ پوری دنیائے اسلام نے ایران کی منت سماجت کی کہ اس مسلم کش جنگ کو بند کردیا جائے۔ عراق نے یہ بات تسلیم کرکے ایران کے مقابلے پر بالاتری حاصل کرلی مگر ایران اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بالآخر جنگ اس انداز اور ایسی شرائط پر بند ہوئی کہ ایران کو اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ ہزاروں افراد کو موت کے منہ میں دھکیلنے اور اربوں ڈالر کا اقتصادی نقصان کرنے کا نتیجہ کیا نکلا؟ شاید ایران کو اپنی قوت کے بارے میں زعم باطل تھا یا شاید ان کے اندرونی مسائل کے پیشِ نظر جنگ ان کی سیاسی ضرورت تھی۔ بہرحال مورخ اسے ایران کا منفی پہلو ہی قرار دے گا۔

سعودی حکومت سے بے شمار شکوے اور شکایتیں دنیا بھر کے مسلمانوں کو ہیں۔ مگر حج کو ہنگامہ آرائی کی نذر کردینا اور دیارِ مقدسہ میں جنگ وجدال کا بازار گرم کرنا کسی بھی صاحبِ عقل وہوش مومن کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ ایرانیوں نے اس موضوع پر بھی اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اپنے بہت سے بہی خواہوں کی ہمدردیاں کھوئی ہیں۔

سعودی حکومت کے کار پردازوں، سفارت خانوں کے اہل کاروں اور امیگریشن افسران کا رویہ بلاشبہ ایسا ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان اس سے نالاں ہے۔ وہ اپنے سوا دوسرے لوگوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ اس ناروا طرزِ عمل کی وجہ سے ان کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے مگر دنیا کا کوئی مسلمان یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ سعودی افسروں کے خلاف پائی جانے والی اس نفرت کو حرمین کا تقدس پامال کرنے، حج کو سبوتاژ کرنے، اور دورانِ حج جنگ وجدال کا بہانہ بنایا جائے۔ سعودی لوگوں میں اچھے مسلمانوں کی بھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے اور جو اچھے ہیں وہ انتہائی نیک اور صالح مسلمان ہیں۔ اس طرح پورے سعودی عرب کو نشانہ بناکر کوئی اقدام بھی معقول نظر نہیں آتا۔

پاکستان کے مقابلے پر ایران نے انقلاب کے بعد بھارت کو ترجیح دی ہے۔ یہ بات بھی ناقابلِ فہم ہے اور اس کا کوئی قابلِ اطمینان جواب آج تک ایرانی زعما نہیں دے سکے۔ پاکستان کی کسی حکومت سے اختلاف یا بھارت سے تجارتی مفادات کا مطلب کسی صورت یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ بحیثیت قوم پاکستان پر بھارت کو فوقیت دی جائے۔ اس سلسلے میں البتہ یہ بات خوش آئند ہے کہ حال ہی میں مسئلہ کشمیر پر ایران نے بہت اچھے موقف کا اظہار کیا ہے۔ ہم تو کھلے دل سے ہر اچھی بات کی تعریف کرتے ہیں۔ ایران کا یہ موقف قابلِ صد مبارک باد ہے۔ خدا کرے کہ ایران اس پر ثابت قدم رہے اور دوسرے مسلمان ممالک بھی اس اچھی مثال کی تقلید کریں۔

جہادِ افغانستان میں ایران کا رول شروع میں قابلِ قدر رہا۔ اسلام آباد میں منعقد ہونے والی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں ایرانی وزیرِ خارجہ صادق قطب زادہ مرحوم نے افغان مجاہدین کے نمائندوں کو اپنے سرکاری وفد میں شامل کرکے ایک قابلِ قدر مثال قائم کی تھی مگر بعد میں ایران نے جہادِ افغانستان کو بھی شیعہ سنی کی نظر سے دیکھنا شروع کردیا۔ حزبِ اسلامی کو ایران سے مجبوراً اپنے دفاتر بند کرکے کوچ کرنا پڑا۔ افغان عبوری حکومت کے قیام کے وقت مجلسِ شوریٰ کے لیے ایران نے ایسے مطالبات پیش کردیے جو مضحکہ خیز تھے۔ اس سے جہاد کو فائدے کے بجائے خاصا نقصان پہنچا۔ ان مطالبات کے پیچھے بھی اسلامی جذبے سے زیادہ شیعہ جذباتیت کارفرما تھی۔

شیعہ، سنی بھائی بھائی کا خوب صورت نعرہ ایک جانب اور آیت اللہ خمینی اور دیگر انقلابی رہنماؤں کی تقاریر اور تحریریں دوسری جانب۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں انقلابی رہنماؤں نے جو کچھ کیا وہ اذیت ناک ہے۔ پھر ائمہ معصومین اور انقلابِ ایران کے حوالے سے انبیاء کرام کی شان میں بھی ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو از حد دل آزار ہیں۔ اس موضوع پر جدوجہد کے دوران تحریک کے رہنماؤں نے جو کچھ کہا وہ اہلِ سنت کے لیے بہت حوصلہ افزا تھا۔ صحابہ کرامؓ کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا تھا اور انہیں اپنا قائد قرار دیا جاتا تھا، مگر انقلاب کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی شاید تقیہ کا استعمال اس کا جواز مہیا کرتا ہو، مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بہت بڑا عیب ہے جس کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔

انقلابِ ایران کی جدوجہد کے دوران میں بدقسمتی سے پاکستانی شیعہ برادری شاہ کے حق میں اور امام خمینی کے خلاف تھی اور بعض دیگر افراد، ادارے اور جماعتیں سنی ہونے کے باوجود انقلابی قوتوں کے حامی تھے۔ ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد شیعہ برادری انقلابیوں کی منظورِ نظر

(بقیہ صفحہ ٦٠ پر)